Journal. ISSN 2582-

جدید فارسی افسانہ نگار: صادق ہدایت

کلیدی الفاظ# صادق ہدایت# جدید فارسی افسانہ نگار

تبریز حسن

ریسرچ اسکالر شعبہ مطالعات فارسی و مرکزی ایشیا

، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی 110067

تلخیص:

فارسی ادب کے متعلق بات کرتے ہوئے جب افسانہ نگاری کا ذکر آتا ہے تو ہمارے ذہنوں میں بہت سے نام گردش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر صادق ہدایت، بزرگ علوی، محمد حجازی، علی دشتی، جلال آل احمد، حسین قلی مستعان، صادق چوبق اور نوری وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان سب میں جو شہرت صادق ہدایت کو نصیب ہوئی شاید ہی کسی افسانہ نگار کے مقدر میں آئی ہو۔

نقادوں کا کہنا ہے کہ جدید ایرانی افسانے کی تاریخ کو تین ادوار میں بانٹا جا سکتا ہے۔ ابتدائی زمانہ جب ایران میں فارسی افسانے کی شکل بننا شروع ہوئی، درمیانہ زمانہ، استحکام اور نمو کا دور اور تیسرا تنوع کا دور۔ لیکن عملاً اس نوع کی تقسیم شاید زیادہ درست اور ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ تینوں دور ایک دوسرے سے ایسے ملے ہوئے ہیں کہ درمیان میں کوئی خط کھینچا نہیں جا سکتا، لیکن یہ ضرور ہے ایران میں سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ افسانہ ضرور متاثر

ہوتا رہا ہے۔اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ایران میں ادیبوں کی بڑی تعداد کا تعلق بائیں بازو سے رہا ہے اور شاہ کا زمانہ تھا یا اس کے بعد اب تک نام نہاد اسلامی انقلاب کا دور ہے، آزادیِ اظہار کا ماحول کبھی بھی سازگار نہیں رہا۔

فارسی افسانے یا کہانی کا ابتدائی دور محمد علی جمال زادہ (1892-1997) کے ''یکے بود یکے نبود'' (اشاعت برلن 1921) سے ہوتا ہے اور یہیں سے فارسی افسانہ،قصوں اور لوک کہانیوں کے انداز کو چھوڑ کر نیا انداز اختیار کرتا ہے۔اس مجموعے میں نہ صرف عام اور روزمرہ کی زبان اور محاورے استعمال کیے گئے بلکہ سیاسی اور سماجی موضوعات کے ساتھ طنزیہ پیرایہ بھی استعمال کیا گیا۔ یہ مجموعہ 1985 میں Once Upon a Time کے نام سے ترجمہ ہو کر نیو یارک سے شائع ہوا۔

جمال زادہ کی کہانیوں میں پلاٹ کو مرکزیت حاصل رہتی ہے اور وہ اپنی کہانیوں کا اختتام موپاساں اور او ہینری کی طرح ڈرامائی اور چونکانے والے انداز میں کرتے ہیں۔لیکن انھوں نے زبان کا جو انداز اختیار کیا اس نے فارسی میں افسانے کے لیے جس زبان کی بنیاد رکھی وہ اب تک برقرار ہے۔ممکن ہے کچھ لکھنے والے زبان کے اس انداز سے باہر بھی ہوں لیکن اسے میری کم علمی میں شمار کر لیں۔

ایران میں سیاسی تبدیلیوں کے اثرات ادب پر بھی پڑے اور بادشاہت کا زمانہ رہا ہو یا اس کے بعد کی حکومت اور پھر انقلاب کا دور ہو،

آزادیِ اظہار کے لیے ماحول سازگار نہیں رہا۔ فارسی ادب اور افسانہ بھی ان ادوار میں متاثر ہوتا رہا، لیکن صادق ہدایت کے زمانے کو جدید افسانے کا دوسرا اور اصل دور کہا جاسکتا ہے۔ وہ مصنّف و مترجم ہی نہیں بلکہ ایک ایسے دانشوَر کے طور پر بھی پہچانے جاتے ہیں جس نے ایرانی ادب میں جدید تکنیک متعارف کرائی۔

صادق ہدایت: کو بیسویں صدی کے عظیم مصنفین میں شمار کیا جاتا ہے اور یہ عظمت و مرتبہ اس کے افسانوں کے مجموعے ''زندہ بگور'' (1930)، اُس کے بعد ''سہ قطرہ خوں'' (1932)، ''سایۂ روشن'' (1933)، ''وغ وغ ساباب''، طویل کہانی ''علویہ خانم'' (1933) اور ناول ''بوفِ کور'' (1937) کی بدولت ہے۔

صادق ہدایت نے 7 فروری 1903 عیسوی کو تہران کے ایک معزز گھرانے میں جنم لیا۔ آپ کے والد کا نام ہدایت قلی تھا جو اعتصاد الملک کے نام سے مشہور تھے۔ اتفاق سے صادق ہدایت جس گھرانے میں پیدا ہوئے وہ ادبی لحاظ سے پہلے ہی معروف تھا۔ پس فارسی ادب سے ہمدردی اور محبت رکھنے والا دل سینے میں اور خون رگوں میں لئے ہوئے پیدا ہوئے۔ یہ سب آپ کو اپنے دادا سے وراثت میں ملا جو انیسویں صدی عیسوی کے نامور اہل قلم تھے۔ ان کا نام رضا قلی تھا جو ''مجمع لصفحاء'' اور ''ریاض العارفین'' کے مصنف بھی ہیں۔ صادق ہدایت نے اپنی ابتدائی تعلیم

''دبیرستان فرانسوی'' میں حاصل کی اور پھر اعلی تعلیم کی غرض سے انہوں نے بیرون ملک جانے کا فیصلہ کیا۔ پس انجینرنگ کی اعلی تعلیم کے لئے پہلے انہوں نے بیلجیم اور پھر فرانس کا رخ کیا۔

صادق ہدایت نے ادبی دنیا میں پہلا قدم ''موت'' نامی ایک مقالہ لکھ کر کیا۔ فرانس میں قیام کے دوران ان کو فرانسیسی ادب سے گہرا لگاؤ پیدا ہو گیا اور انہوں نے فرانسیسی زبان میں ''جادوگری در ایران'' کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا۔ فرانس ہی میں انہیں افسانہ نگاری کا شوق پیدا ہوا اور یوں 1925ء سے 1929ء عیسوی تک کا عرصہ فرانس میں گزارنے کے بعد 1930ء میں واپس ایران آ گئے۔ ایران پہنچ کر انہوں نے چند دوسرے ادبی ذوق کے حامل افراد کے ساتھ مل کر ایک ادبی گروہ تشکیل دیا۔ یہ گروہ ''ربعہ'' کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ انہوں نے ''بانک ملی'' میں ملازمت بھی اختیار کر لی۔ ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے ان کی پہچان ''زندہ بگور'' سے ہوئی۔ 1932ء میں انہوں نے ہندوستان کا سفر کیا اور وہاں ایک سال قیام کیا۔ اس ایک سال میں انہوں نے پہلوی زبان سیکھی اور اسی دوران اپنا مشہور ناول ''بوف کور'' تحریر کیا۔ ایک مختصر سفر تاشقند کی طرف بھی کیا اور پھر زندگی کا باقی حصّہ تہران میں مترجم کی حیثیت سے گزارنے لگے۔ انہوں نے مجموعی طور پر چالیس افسانے تحریر کیے۔ دسمبر 1950ء میں ایک بار پھر فرانس کا سفر کیا اور وہیں پر وفات پائی۔ ان کو پیرس

کے ایک قبرستان میں دفن کیا گیا۔

صادق ہدایت کی زبان بظاہر مزید سادہ اور واضح تھی لیکن وہ کہانی میں حقیقت پسندی اور سرریلسٹ فینٹسی کو اس طرح ملاتے ہیں کہ کہانی کی شکل ہی کچھ اور ہو جاتی ہے۔اس پر ان میں عدم تحفظ کا احساس اور مایوسی، جس کے بارے میں نیرّ مسعود کا کہنا ہے ’یہ شخصیت جنون کی حد تک غیر معتدل اور نفسیاتی گتھیوں سے بھری ہوئی تھی۔ یہ شخصیت با آسانی مریضانہ کہی جاسکتی ہے اور اس کے افسانے اسی شخصیت کا نقش ہیں‘

صادق ہدایت کی زبان بظاہر مزید سادہ اور واضح تھی لیکن وہ کہانی میں حقیقت پسندی اور تصوّرات کو اس طرح بہم کر دیتا کہ کہانی کی شکل ہی کچھ اور ہو جاتی ہے۔اس کی کہانیاں انسانی زندگی کی بدنما حالت اور نفسیاتی کرب کا مجموعہ ہیں جن میں فلسفیانہ قسم کا اضطراب، ناامیدی، یاسیت اور حد درجہ مایوسی نظر آتی ہے۔صادق کے کم وبیش تمام ہی افسانوں کے مرکزی کرداروں کا انجام یا تو موت پر ہوتا ہے یا وہ خودکشی کرتے ہیں۔وہ ایک فلسفیانہ قسم کے اضطراب اور نفسیاتی کرب کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔ہدایت نے خود بھی آخر فرانس میں جا کر خودکشی کر لی۔

صادق ہدایت فارسی ادب کا بڑا ناول نگار سمجھا جاتا ہے۔ فارسی ادب میں اسے وہی مقام حاصل ہے جو اردو ادب میں سعادت حسن منٹو کو حاصل ہے۔ہدایت فارسی ادب میں پہلا باقاعدہ قنوطی ادیب ہے جس نے

ایران جیسے امید پرست معاشرے میں بھی خودکشی جیسے موضوعات کو جمالیاتی لباس پہنایا۔ اس کی تحریریں مایوسی اور ناامیدی پر مبنی ہونے کے باوجود ایران میں بیحد مقبول ہیں۔ آج بھی ہدایت کی کتابیں بکثرت چھپتی ہیں اور ہاتھوں ہاتھ بکتی ہیں۔ اس کی بعض کتابوں کا ترجمہ متعدد زبانوں بشمول اردو میں ہو چکا ہے۔ منٹو کی طرح صادق ہدایت بھی ہمیشہ الزامات کی زد میں رہا۔ گمراہی، تاریکی اور مایوسی پھیلانے کا الزام۔ یہی وجہ ہے کہ اسے فارسی ادب میں قنوطیت (Nihilism) کا بانی تصوّر کیا جاتا ہے۔ لیکن کسی بھی ادیب کی تحریروں کے بارے میں قضاوت اس کے دور کے حالات کو مدّنظر رکھے بغیر کرنا علمی رویہ نہیں۔ ادیب کا اصلی فریضہ پیغمبرانہ بشارتیں بانٹنا نہیں بلکہ سماج کی درست تصویر کشی اور عکاسی کرنا ہوتا ہے۔ ہدایت ایران کے بحرانی ترین دور میں زندگی گزار رہا تھا۔ پہلوی دور آمریت۔ رضا شاہ پہلوی کا دور حکومت فکری، سیاسی، سماجی اور اقتصادی بحرانوں کا مجموعہ ہے۔ ان حالات میں کسی سنجیدہ ادیب سے گل و بلبل یا باغ و بہار کے تذکروں کی امید لگانا منطقی سوچ نہیں۔

بیسویں صدی کا پہلا نصف حصّہ عالمی سطح پر تمدّن کی شکست و ریخت کا زمانہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس زمانے میں پیش آنے والی دو عالمی جنگوں نے انسانی جان کی وقعت کو یکسر ختم کر کے رکھ دیا۔ انسانی تہذیب دم توڑتی نظر آئی۔ دنیا بھر میں انارکی اور مایوسی نے ڈیرے ڈال دیے۔ ان

ناگفتہ بہ حالات کا عکس اس دور کے ادب میں بھی واضح دکھائی دیتا ہے۔ ان حالات میں صادق ہدایت نے ایک طرف یورپ کی ادبی ریئلزم کی تحریک سے متاثّر ہوکر جدید فارسی ادب میں داستانی ریئلزم کی بنیاد رکھی تو دوسری جانب قنوطیت اس کے ناولوں کا لازمی جز قرار پایا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تمام داستانیں، ناول اور ڈرامے عام آدمی کے مسائل و مشکلات کے گرد گھومتے ہیں۔ سماج کی تلخ حقائق پر مبنی تصویر کشی صادق ہدایت کے ناولوں کا خاصہ ہے۔ افسانوں کے علاوہ صادق ہدایت نے ڈرامے اور سفرنامے بھی قلم بند کیے جن میں ''پروین دختر ساسان'' اور ''اصفہان نصف جہان'' قابل ذکر ہیں۔ صادق ہدایت جدید فارسی ادب میں ایک والا مقام ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ نقّاد بھی تھے۔ ''شیوہ نوین در تحقیق ادبی''، ''شیوہ ہائے نوین در شعر پارسی'' اور ''پیام کافکا'' جیسی کتابیں اس کی ادبی تنقید کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

صادق ہدایت کے والد اعتضادالملک قاچاری حکومت میں اہم عہدوں پر فائز رہے۔ ایران کی حکومت قاچاری خاندان سے پہلوی خاندان میں منتقل ہوئی تو صادق ہدایت کی سماجی ساکھ بھی متاثر ہوئی اور وہ اچانک اشرافی طبقے سے متوسط طبقے کا فرد بن گئے۔ اس بنا پر اس کی ہمدردی اور وابستگی سماج کے نچلے طبقات سے گہری ہوتی گئی اور اس کی تمام تحریروں کا محور بھی انہی طبقات کی مشکلات کا بیان ٹھہرا۔ طبقاتی تبدیلی کی وجہ سے

صادق ہدایت ذاتی زندگی میں بھی تضادات کا شکار تھا۔

اگرچہ اس کا تعلق بنیادی طور پر اشرافی طبقے سے تھا مگر ایک روشن فکر افسانہ نگار کی حیثیت سے ہمیشہ اس طبقے کے افراد سے بیزار رہا۔ اس کے برعکس پسماندہ طبقات اس کی توجہ کا مرکز اور ادبی تحریروں کا موضوع رہے۔ سماج کے کمزور گروہوں سے ہمدردی کے باوجود ہمیشہ ان کی حالت کی بہتری کے معاملے میں وہ مایوسی اور بدبینی کا شکار رہا۔ البتہ صادق ہدایت کی یہ بدبینی اس دور کے ابتر سیاسی، سماجی اور ثقافتی حالات کا جبری نتیجہ تھی۔ جس طرح پاکستان میں منٹو پر اپنے افسانوں کے ذریعے معاشرے میں فحاشی و عریانی پھیلانے کا الزام عائد کیا گیا اسی طرح ایران میں صادق ہدایت پر اپنی داستانوں کے ذریعے اخلاقی زوال، زندگی کی بے قدری، پژمردگی، افسردگی، مایوسی اور نہیلزم پر مبنی افکار و خیالات کی ترویج و اشاعت کا الزم لگایا گیا۔ دونوں افسانہ نگاروں کی نظر میں ادب تنقید حیات کا درجہ رکھتا تھا۔ اس لیے وہ معاشرے کے اچھے برے حالات کی حقیقی اور عینی تصویر پیش کرنے کو اپنا ادبی فریضہ سمجھتے تھے۔ نہیلزم اس کے ناولوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے جس کے اثرات فقط اس کی تحریروں تک محدود نہ رہے بلکہ خودکشی کے ذریعے اس کی اپنی زندگی کے خاتمے کا سبب بھی بنے۔ یہاں ان عوامل کا مختصر بیان مقصود ہے جن کی وجہ سے اسے فارسی ادب میں قنوطیت کے بانی کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ پہلا عامل گوشہ گیری اور تنہا پسندی تھی جس نے

اسے سوشل لائف سے دور کردیا تھا۔ وہ اپنی شہرت سے دور بھاگتا تھا یہاں تک کہ زندگی کے آخری ایام میں کسی کو اپنی تصویر تک اتارنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ خاندانی ذمہ داریوں سے بچنے کے سبب شادی بھی نہیں کی۔ صادق ہدایت کا تصور یہ تھا کہ انسان بنیادی طور پر تنہا رہنے والی مخلوق ہے۔ اسے جبرا؟ اجتماع میں بھیج کر سماجی قیدی بنا دیا گیا ہے۔ اسے اپنی قید سے رہائی کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے اگر چہ خودکشی کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو۔ ہدایت کا افسانہ سگ ولگرد(The Stray Dog)اس کے احساس تنہائی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اسے پرندوں کی یہ عادت بیحد پسند تھی کہ موت کی حالت طاری ہونے سے قبل وہ گوشہ تنہائی میں چلے جاتے ہیں اور اس حالت میں مرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

ہدایت کی اپنے وطن سے دور فرانس میں خودکشی بھی شاید اسی تصور کی آئینہ دار تھی۔ موت کا شدّت سے خیال بھی اسے زندگی کی رعنائی اور چہل پہل سے دور لے گیا۔ اس کے افسانوں میں موت کا تصور جابجا دکھائی دیتا ہے۔ بوف کور میں بوف (الّو) وہ پرندہ ہے جو بدشگونی، تباہی اور مرگ کا استعارہ بن کر سامنے آتا ہے۔ صادق ہدایت اپنے اسکول کے ایاّم سے ہی ندائے اموات نامی رسالہ پبلش کرتا تھا جو تصوّر موت سے اس کی خصوصی دلچسپی کا مظہر ہے۔ مزید یہ کہ اس رسالے کے آرم پر ملک الموت کی فرضی تصویر بھی موجود تھی۔ بنابریں، اس کی نگاہ میں اگر کوئی چیز زندگی کی تلخیوں اور

مصائب و آلام سے نجات دے سکتی ہے تو وہ صرف اور صرف موت ہے۔ اس طرح ہدایت نہ فقط اپنے ناولوں کے کرداروں کو موت سے درگیر رکھتا ہے بلکہ اکثر اپنی ذات کو بھی موت کے منہ میں دھکیلنے کی کوشش کرتا ہے۔ کئی بار خودکشی کی کوشش کی لیکن موت کے منہ سے بچ نکلا؛ آخرکار 4 اپریل 1951ء کو پیرس (فرانس) میں موت نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ دنیا کے بارے میں شدید بدبینی اور بدگمانی تیسرا عامل تھا جو اسے قنوطیت کی جانب لے گیا اور جس کی جڑیں اس کی تحریروں میں بہت گہری ہیں۔ کائنات کی ہر چیز کے بارے میں بدگمان تھا یہاں تک کہ اپنے جیسے انسانوں کو بھی فریبی اور حقیر تصور کرتا تھا۔ زندگی اس کی نظر میں بے وقعت اور بے سود چیز تھی۔ ناول زندہ بگور بھی ایک ایرانی طالب علم کی داستان پر مبنی ہے جو زندگی کے جھمیلوں سے اکتا کر خودکشی میں راہ نجات پاتا ہے۔ مختصر یہ کہ ہدایت اپنے معاصر ادیبوں کے برعکس زندگی کا قصیدہ لکھنے کے بجائے اس کا نوحہ خواں نظر آتا ہے۔ عام تاثر یہی ہے کہ وہ ایران کے مخدوش حالات کے سبب قنوطیت کا شکار ہوا لیکن کچھ نقاد اس تصور کو رد کرتے ہیں؛ ان کی نظر میں صادق ہدایت کی دنیا سے بے اعتنائی اور بدگمانی دراصل اس کے فلسفیانہ نکتہ نظر کی وجہ سے تھی۔ یعنی وہ اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ اس کائنات میں رہتے ہوئے انسان کے لئے راہ نجات موجود نہیں مگر یہ کہ وہ اس قید سے اپنے آپ کو آزاد کر لے۔ یہ رائے بھی بعید از قیاس نہیں کہ دور جوانی میں یورپ کے

سفر اور وہاں قیام نے ہدایت کے افکار پر گہرے نقوش مرتّب کیے ہوں۔ اس کی نظر میں مغربی تجدّد اور ایرانی روایت گرائی وقدامت پسندی کے مابین طولانی فاصلوں کی ایک دیوار حائل تھی۔ وہ ایرانی کلچر کو خرافات کا مجموعہ اور روایتی سماج کو زوال کا شکار گمان کرتا تھا۔ دوسری جانب اسے پہلوی دور آمریت میں معاشرتی اصلاح کی کوئی سبیل بھی نظر نہیں آتی تھی۔ یہ وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے صادق ہدایت قنوطیت کے راستے پر چل کر فارسی ادب میں نہیلزم کے علمبردار کے طور پر سامنے آیا۔

نہیلزم کی ادبی تحریک دراصل پہلی جنگ عظیم کے بعد امریکا اور یورپ سے مشرقی دنیا میں داخل ہوئی تھی۔ ایران میں صادق چوبک، محمود دولت آبادی اور صادق ہدایت جیسے ادیبوں نے اسے پروان چڑھایا۔ ہدایت نے قنوطیت کے زیر اثر، مذہبی اور اخلاقی مفاہیم کے ساتھ انسان کے رابطے کو غیر فطری قرار دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہدایت کے ہاں ادبی عفت نامی کسی چیز کا وجود نہیں۔ یعنی وہ فحش اور غیر اخلاقی ترین بات بھی عریان اصطلاحات میں بیان کرنے کی جسارت کر گزرتا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ صادق ہدایت نے فارسی ادب میں الفاظ اور مفاہیم کی جھوٹی اور نام نہاد حرمت کا خاتمہ کیا۔ اس نے اپنے افسانوں میں وہ تراکیب بھی استعمال کیں جن کو برتنے سے بڑے بڑے ادیب کتراتے تھے۔ اسی طرح جن واقعات اور مناظر کو معاصر ادیب مصلحت اور خوف کے دبیز پردوں میں

بیان کرتے تھے ہدایت انہیں برملا بیان کرتا نظر آتا ہے۔صادق ہدایت کے قلم کی یہ خصوصیت اسے اردو کے عظیم افسانہ نگار سعادت حسن منٹو کے نزدیک لا کھڑا کرتی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ ہدایت کی تحریروں نے فارسی ادب کی عشقیہ، روحانی اور اخلاقی بنیادوں کو نہ فقط شدید متزلزل کر دیا بلکہ اس ادب سے زندگی کی خوبصورتی کا خاتمہ کرکے اسے موت، بدبینی، مایوسی اور قنوطیت کے اندھیروں سے بھر دیا۔ ہدایت نے انسان کی روحانی اور معنوی حیثیت کا انکار کرکے اسے ایک پست موجود کے درجے پر لا کھڑا کیا اور اس کے ایمان، ضمیر اور مذہبی اعتقادات کو خرافات قرار دیا۔ ان تمام منفی تصورات کے باوجود صادق ہدایت کو اپنی پراثر تحریروں اور قلم کی فنی پختگی کے سبب عالمی ادب میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔حیرت انگیز بات یہ ہے کہ صادق ہدایت کی موت کو ستّر سال کا عرصہ بیت جانے کے بعد بھی اس کے قارئین اور ناقدین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

ہدایت کے ساتھ ہی بزرگ علوی کا ذکر بھی آنا چاہیے جن کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ’چمد ان‘ (سوٹ کیس) 1934 میں شائع ہوا۔ان کے ہاں بھی پڑھنے والوں کی ملاقات افسردہ، دل شکستہ اور پریشان کرداروں سے ہوتی ہے۔علوی بائیں بازو کے لیے بھی سرگرم تھے اس لیے ان کی گرفتاری ہوئی اور اس گرفتاری نے ان کی افسانہ نگاری کے انداز پر بھی

اثر ڈالا۔ ’علوی کا کہنا ہے کہ وہ جیل جانے سے پہلے سیاسی سرگرمیوں میں عملی طور پر شریک نہیں تھے بلکہ ان لوگوں میں تھے جو مارکسی نظریات سے شناسائی پیدا کر رہے تھے۔‘ (اجمل کمال) اس واقعے نے فارسی افسانے کو نئے انداز سے متعارف کرایا جو سماجی ناانصافیوں اور استبداد کو بیان کرنے کا تو تھا ہی لیکن نظریاتی بھی تھا۔ وابستگی کا یہی انداز فریدون تنکابنی، محمود دولت آبادی اور ان دوسرے افسانہ نگاروں میں بھی دکھائی دیتا ہے جنھیں بائیں بازو والے بھی کہا جاتا ہے۔

جمال میر صادقی اور ہوشنگ گلشیری اپنے اپنے انداز میں بزرگ علوی کے انداز سے متاثر ہیں جنھوں فارسی افسانے میں عورت کو ایک انسان اور کثیر الجہتی انسان کے طور پر بھی دکھایا۔ فارسی افسانے کو ایران کے سیاسی حالات کے آئینے کے طور پر بھی دیکھا جا سکتا ہے، اگرچہ ان افسانے لکھنے والوں کی اکثریت افسانے اور تاریخ و سیاست کے فرق کو بہت نمایاں طور سمجھتی ہے۔

منابع ومصادر

بررسی وتحلیل جریانہای داستان نویسی معاصر (1323-42)

نگاہی کوتاہ بہ داستان نویسی معاصر

تحقیق در مورد زندگی صادق ہدایت از آثار دانشجی

زندگی عشق و مرگ از دیدگاہ صادق ہدایت

کتاب خودکشی صادق ہدایت اثر اسماعیل جمشیدی

نقد آثار صادق ہدایت اثر محمد سرشار تہران

داستان ہای صادق ہدایت، گرد آور محمد فروز نیا، تہران، علم، چاپ دوم

1 -Ali Dehbashi Be Yad- e Sadegh Hedayat)On the memory of Sadegh Hedayat). Tehran: Sales publisher.

2 -Khanlari, P. N. Khaterat- e Adebi Dar Barehy- e Sadegh Hedayat) Literary Memory about Sadegh Hedayat)_2003

3 -Katouzian, M. A. H. Sadegh Hedayat va Marg- e Nevsandeh)Sadegh Hedayat and the Death of the Author). Tehran Marklaz Publosher. 1993.

4 -Mirabedini, H. Sadegh Hedayat- Rzenehi be Rahai)Sadegh Hedayat-

An Opening to Freedom) In A. 2003

5 -Sadegh Hedayat Iran chamber society.

6-Sadegh Hedayat, Dayeratul Maarif Britanika Online.

7 -Sadegh Hedayat, Musannif ka tarrruf, Urdu Digest- Alami Adab No, February 2011Lahore.